

کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کا منہج و اسلوب، تحقیقی مطالعہ

غازی عبدالرحمن قاسمی *

عبدالقدوس صہیب **

تعارف:

اس کائنات کی رنگ و بو میں بہت سے افراد و اشخاص پیدا ہوئے اور اپنی مقررہ زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کی وفات کے بعد ان کا ذکر کچھ عرصہ ہوا اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ ان کے تذکرے ختم ہو گئے، مگر کچھ ہستیاں اور شخصیات ایسی بھی گزری ہیں جن کی علمی کاوشوں، مجتہدانہ صلاحیتوں اور بلند پایہ استنباط و استدلال سے مزین کتب کی بدولت وہ آج بھی اہل علم کے حلقہ میں زندہ ہیں۔ ان کے بیان کردہ تحقیقی مضامین اسلامیات کے محقق کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں نمایاں نام مجدد الملت، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے۔ آپ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اطراف عالم میں شہرت عطا فرمائی اس کی ایک اہم وجہ آپ کی علمی جلالت ہے۔

آپ کی تحریروں میں اتقان و ثقاہت اور تحقیقی و علمی نکات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ عوام الناس کی خیر خواہی، ان کی دینی اصلاح اور روحانی و اخلاقی تربیت کا سامان بھی ملتا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے بہترین عالم و معلم تھے اور اتباع نبویؐ کے جذبہ سے سرشار تھے۔ شب و روز دین متین کی تبلیغ کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ بلاشک و شبہ آپ اپنے وقت کے مجدد اعظم، مصلح اعلیٰ اور حکیم دانا تھے۔ جو نہ صرف شریعت کے رمز شناس تھے بلکہ اپنے زمانہ کی عوام کے بھی نبض شناس تھے۔ آپ کے علمی و عملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے۔ شریعت اسلامیہ کی خدمت اور عوام الناس کی بہبود و اصلاح کے لیے آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور نہایت قیمتی و تحقیقی تصانیف بطور یادگار کے چھوڑیں۔ جن میں سے شہرہ آفاق اور معرکہ الآراء تصنیف ”حجۃ اللہ البالغۃ“ ہے۔ اس کتاب میں آپ کا منہج و اسلوب کیا تھا؟ اس پر تفصیلی بحث مابعد السطور میں آ رہی ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ کا موضوع:

”حجۃ اللہ البالغۃ“ کا بنیادی موضوع احکام شریعت کی مصالح و حکمتیں اور ان کے اسرار ہیں۔

حجۃ اللہ البالغۃ کے مضامین:

”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں فنی لحاظ سے آپ نے متعدد مضامین کو بیان کیا ہے۔ جس میں تعلیمات ربانی، عقائد، احادیث، فقہ، اصول فقہ، عبادات و معاملات، اخلاقیات، تمدن و تہذیب، سیاسیات، کسب معیشت کے طریقے، تدبیر منزل، خلافت و قضا، جہاد، آداب صحبت، معاشرت، فتن، حوادث مابعد، اور علامات قیامت وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور ان مختلف

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج، ملتان، پاکستان
** پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

موضوعات و ابواب کے اسرار و مقاصد اس طرح بیان کیے ہیں کہ ان مسائل کا تعلق انسانی زندگی سے مربوط نظر آتا ہے۔ اور احکام شرعیہ کی حکمتیں اور اسرار و بھید عقلی و نقلی دلائل سے بیان کیے ہیں۔ کتاب کی تقسیم:

یہ کتاب دو بڑے حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ اوامر و نواہی کے مفید اصولوں پر محیط ہے اور اس میں سات مباحث ہیں اور ان میں بھی ہر بحث متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اسلامی احکام کی عقلاً تعبیر و تشریح کی گئی ہے جن میں پیش نظر فقہی موضوعات کی ترتیب ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی خصوصیات:

شاہ صاحبؒ کی یہ عظیم الشان تصنیف اپنے موضوع پر جدت اور ندرت کا عنصر لیے ہوئے ہے۔ اس کے صرف ادبی اسلوب کو اگر زیر بحث لایا جائے تو اس پر مستقل ایک مقالہ کی ضرورت ہے۔ اور جن دلائل و براہین سے آپ نے استدلال کیا ہے اگر صرف اس استنباط و استدلال پر غور و فکر کیا جائے تو یہ بھی بڑے اعلیٰ درجے کا کام ہوگا۔ اور دینی و اسلامی فکر کو جس انداز میں آپ نے پیش کیا ہے اگر اس پر بات کی جائے تو آپ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جو آپ کو عالم اسلام کی ان شخصیات میں شامل کرتا ہے جن پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔

جب سے یہ کتاب منصوبہ شہود پر آئی ہے ہر دور میں اس کی درس و تدریس کے سلسلے جاری رہے اور اس سے راہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔ جو عربی زبان و ادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے نہ صرف ذوق تسکین کا باعث ہے بلکہ اہل علم کے لیے بھی ایک ایسی دوا ہے جو فکری اور عقلی راستوں میں شکوک و شبہات کے زہریلے کانٹوں بھرے میدانوں سے گزرتے وقت تریاق کا باعث ہے۔ تشنگان علوم اسلامیہ کے لیے ایک ایسا جام ہے جو ایک دفعہ اس کا ذائقہ چکھ لیتا ہے وہ اس کی حلاوت سے محمور نظر آتا ہے۔

اسلوب کتاب:

”حجۃ اللہ البالغہ“ میں اک نیا اسلوب اور منفرد طرزِ تحریر سامنے آیا ہے، جو جامعیت، زور بیان، تحکم و اعتماد اور فصاحت و بلاغت کا شاہ کار ہے۔ جس میں انشاء کا ایک خاص انداز ہے جو پوری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔ مختصر اور جامع کلمات کے استعمال کے ساتھ ایسی خوبصورت تراکیب و محاورات اور استعارات و تشبیہات اور تمثیلات سے کام لیا گیا ہے جن میں اک خاص توازن و اعتدال ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کا مَنج و اسلوب بیان سامنے آتا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- ۱۔ متعدد مقامات پر بصیغہ امر استعمال کرتے ہوئے ”اعلم“ (جان لیجئے) سے بات شروع کرتے ہیں۔ ۲۰۰ سو سے زائد مقامات پر ”اعلم“ کو لائے ہیں۔ جس کا مقصد مخاطب کو متوجہ کر کے اہم فوائد و نکات بیان کرنا ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں تحقیق کرنے والے محقق کو نگران مقالہ کی طرف سے یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنا میدان منتخب کرے، کہ کس شعبہ میں اسے مناسبت ہے اور وہ زیادہ بہتر کام کر سکتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ موضوع کا انتخاب کرے اور مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے مقالہ تحریر کرے۔ یہی بات شاہ صاحب نے اپنے خاص اندازِ اعلم (جان لیجئے) سے شروع کی ہے۔

مثال:

فاعلم ان لكل فن خاصة ولكل موطن مقتضى فكما انه ليس لصاحب غريب الحديث ان يبحث عن صحة الحديث وضعفه ولا لحافظ الحديث ان يتكلم في الفروع الفقهيه واثار بعضها على بعض فكذلك ليس للباحث عن اسرار الحديث ان يتكلم بشئى من ذلك انما غاية همته ومطمح بصره هو كشف السر الذى قصده النبى ﷺ فيما قال سواه بقى هذا الحكم محكما او صار منسوخا او عارضه دليل آخر فوجب فى نظر الفقيه كونه مرجوحا نعم لا محيص لكل خائض فى فن ان يعتصم باحق ما هنالك بالنسبة الى ذلك الفن (۱)

”جان لیجئے ہر فن کی ایک خاصیت اور ہر جگہ کا کوئی مقتضی ہوتا ہے۔ پس جس طرح یہ بات کہ فن غریب الحدیث کے مصنف کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حدیث کی صحت و ضعف کو زیر بحث لائے، اور نہ حافظ الحدیث کے لیے مناسب ہے کہ وہ فقہی مسائل کے بارے میں اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کے لیے کلام کرے، پس اسی طرح حدیث کے اسرار سے بحث کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے بارے میں کلام کرے، اس کی پوری توجہ اور اس کے پیش نظر اس راز کو بھی کھولنا چاہیے جس کا نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں قصد فرمایا ہے۔ عام ازیں وہ وہ حکم محکم باقی ہو، یا منسوخ ہو گیا ہو، یا اس کے معارض کوئی اور دلیل آگئی ہو جس کی وجہ سے مجتہد کی نظر میں وہ روایت مرجوح قرار پائی ہو البتہ یہ ضروری ہے کسی بھی فن میں داخل ہونے والے کے لیے کہ وہ اس چیز کو پکڑے جو اس فن میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔“

شاہ صاحب نے ایک بہت اہم فائدہ بیان کیا ہے کہ ہر فن کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور ہر مقام کا اپنا تقاضا ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے۔ یعنی محدث کا کام ہے احادیث بیان کرنا اگر وہ فقیہ نہیں ہے اور فتویٰ نویسی کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دے تو اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح فقیہ کا کام مسائل کا استخراج اور احکام کا استنباط ہے وہ اپنا کام چھوڑ کر غریب الحدیث پر توجہ شروع کر دے تو اس کا بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس احکام اسلام کی مصالح اور حکمتیں بیان کرنے والے کو بھی اپنے موضوع پر توجہ کرنی چاہیے۔ اور اسی طرح اگر کوئی کسی فن پر کام کر رہا ہو اور دوسرے فن کی طرف مراجعت کی نوبت آئے تو اس فن کی قابل اعتماد اور رائج باتوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً فقہ پر کام کرتے ہوئے حدیث نقل کرنی ہے تو ان احادیث کا انتخاب کیا جائے جو صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کئی مقامات پر صیغہ متکلم استعمال کرتے ہوئے ”أقول“ (میں کہتا ہوں) سے کلام کرتے ہیں۔ اور

۲۷۵ سے زائد مقامات پر اس کو لائے ہیں۔

جس کے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں تاہم چند مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

- ۱- آیات قرآنیہ کی تفسیر۔
- ۲- احادیث کی تشریح۔
- ۳- آیات میں مطابقت۔
- ۴- فقہی مسالک کے درمیان قرب پیدا کرنا۔

آیت قرآنیہ کی تفسیر کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ (۲)
 ”وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔“

شاہ صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول الظاهر ان المحکم مالہ یحتمل الا وجہا واحد مثل: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَ
 بَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ﴾ (۳) والتمثابه ما احتمل وجوها وانما المراد بعضها كقوله تعالى:
 ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ﴾ (۴) حملها الزائعون على اباحة الخمر ما لم يكن يعنى او افساد في الارض
 والصحيح حملها على شاربها قبل التحريم (۵)

”میں کہتا ہوں آیت کے ظاہر اور واضح معنی یہ ہیں کہ محکم آیت وہ ہے جس کے اندر صرف ایک ہی وجہ کا احتمال ہو۔ مثلاً حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں۔ اور متشابہ آیت وہ ہے جس میں چند وجوہ کا احتمال ہو اور مقصود و مراد ان میں سے بعض وجوہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ اس آیت سے بعض کج فہموں نے خمر و شراب کی اتنی مقدار مباح کر دی جو زمین میں فساد اور شرفتنہ کے درجہ کو نہ پہنچے اور صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے حق میں ہے جو خمر و شراب کی حرمت سے پہلے شراب پیا کرتے تھے۔“

شاہ صاحب نے ”اقول“ سے بات کا آغاز کیا اور محکم و متشابہ کی مع مثال وضاحت فرمائی اور ساتھ ہی ان لوگوں کی

غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے آیت سے غلط مفہوم نکالا۔

دوسری مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقِيَّةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (۶)
 ”اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مومن غلام آزاد کرے۔“

شاہ صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اقول انما وجب فى الكفارة تحري رقبه مومنة او اطعام ستين مسكينا ليكون طاعة مكفرة له فيما بينه وبين الله فان الدية مزجرة تورث فيه الندم بحسب تضيق الناس عليه والكفارة فيما بينه وبين الله تعالى (۷)

”میں کہتا ہوں اس قتل کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس لیے واجب کیا گیا تاکہ اس کے اور اللہ کے درمیان یہ طاعت اس کے لیے گناہ مٹانے والی عبادت بن جائے، بے شک دیت زجر کا ذریعہ ہے وہ اس پر ندامت پیدا کرتی ہے لوگوں کی تنگی کے اعتبار سے اور کفارہ اس کے اور اللہ کے درمیان ندامت پیدا کرتا ہے۔“

شاہ صاحب کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ شریعت نے قتل خطا میں مومن غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے رکھنا بطور کفارہ اس لیے مقرر کیا تاکہ اس نیکی سے اس کا گناہ مٹ جائے، کفارہ بندے اور اللہ کے درمیان ندامت کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور دیت اس لیے واجب کی کہ اس کا ادا کرنا عاقلہ کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ خوب ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ کریں گے کہ تمہاری وجہ سے ہم سب مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ اس سے اسے شدید ندامت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

تسلیح:

واضح رہے کہ شاہ صاحب نے قتل خطا کے کفارہ میں جو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے یہ ان سے تسلیح ہوا ہے اس لیے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں صرف اتنا ہے کہ مومن غلام آزاد کرے یا ساٹھ روزے رکھے۔

حدیث کی تشریح کی مثال:

حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَىٰ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِبْحَهَا (۸)

”جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لیے سیکھا کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کا کچھ مال و متاع مل جائے تو ایسا شخص جنت کی خوشبو کو بھی نہیں پاسکے گا قیامت کے دن، یعنی جنت کی ہوا۔“

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول يحرم طلب العلم الدينى لاجل الدنيا ويحرم تعليم من يرى فيه الغرض الفاسد لوجوه: منها ان مثله لا يخلو غالبا من تحريف الدين الدنيا بتاويل ضعيف فوجب سد الذريعة ومنها ترك حرمة القرآن والسنن وعدم الاكتراث بها (۹)

”میں کہتا ہوں دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے۔ اور اس شخص کو سکھانا بھی حرام ہے جو فاسد غرض رکھتا ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ اس طرح کا آدمی عام طور پر دنیا کمانے کے لیے کمزور تاویلات کے ذریعے دین کی تحریف سے باز نہیں آتا، پس اس راستہ کا بند کرنا ضروری ہوا۔ اور ان حرمت کے اسباب میں سے دوسرا یہ کہ ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن و سنت کا احترام نہ رکھنا ہے اور ان کی پرواہ نہ کرنا ہے۔“

معلوم ہوا حصول دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے اس لیے کہ ایسا شخص اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے باطل تاویلوں کا سہارا لے گا۔ اور ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن و سنت کے احترام میں کمی کا باعث ہے۔

دوسری مثال:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سُنِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ (۱۰)

”جس شخص سے ایسا سوال کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔“

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول يحرم كتم العلم عند الحاجة اليه لانه اصل التهاون وسبب نسيان الشرائع واجزية المعاد تبني على المناسبات فلما كان الاثم كف لسانه عن النطق جوزى بشيح الكف وهو اللجام من نار (۱۱)

”میں کہتا ہوں ضرورت کے وقت علم چھپانا حرام ہے۔ اس لیے کہ وہ لاپرواہی اور سستی کی جڑ ہے اور احکام شرعیہ کو بھولنے کا سبب ہے اور آخری جزائیں مناسبتوں پر مبنی ہیں۔ پس جب بولنے سے زبان کو روکنا گناہ تھا تو وہ سزا دیا گیا روکنے کی شکل و صورت کے ذریعے اور وہ آگ کی لگام ہے۔“

شاہ صاحب کی اس تشریح سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

(الف) علم چھپانا دین کی اشاعت سے لاپرواہی برتنا ہے۔ اس لیے کہ ایسی صورت حال میں لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں گے۔

(ب) باتیں دہرانے سے یاد رہتی ہیں جب علم کو چھپایا جائے گا، خرچ نہیں کیا جائے گا تو وہ رفتہ رفتہ بھول جائے گا۔ احکام شرعیہ کو بھلانا نقصان عظیم کا باعث ہے۔

(ج) اخروی جزاؤں کے بارے میں ضابطہ بیان کیا ہے کہ وہ عمل کی جنس سے ہوتی ہیں یعنی عمل اور اس کی جزا میں مناسبت ہوتی ہے۔

چونکہ اس نے علم بیان کرنے کی بجائے زبان کو روکا اور منہ بند کیا ہے۔ جو کہ شریعت کی نظر میں گناہ ہے اس لیے آخرت میں اسی کی شکل و صورت میں بدلہ دیا جائے گا اور وہ یہی ہے کہ اس کے منہ پر آگ کی لگام چڑھائی جائے جس سے اس کا منہ بند ہوگا۔

قرآنی آیات میں مطابقت کی مثال:

قرآن کریم میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد بانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَا زَوَّجَكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ ﴿۱۲﴾

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکایا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر ستائی نہ جائیں گی۔“

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد بانی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ ﴿۱۳﴾

”جب تم ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔“

اور سورۃ النور میں ارشاد بانی ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ ﴿۱۴﴾

”ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں۔“

اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، اگر عورتوں کے لیے پردہ اور حجاب کا حکم ہے تو پھر نگاہیں

نیچی رکھنے کا کیا مطلب؟

چنانچہ آیات کے درمیان موافقت پیدا کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اقول:.... واذا امر الشارح احد بشئ اقتضى ذلك ان يومر الاخر ان يفعل معه حسب ذلك، فلما امرت النساء بالتستر وجب ان يرغب الرجال في غض البصر، وايضا

فتهديب نفوس الرجال لا يتحقق الا بغض الابصار ومواخذة انفسهم (۱۵)

”اور جب شارع کسی کو کسی بات کا حکم دیتا ہے تو وہ حکم تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے کو بھی حکم دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ اس حکم کے موافق معاملہ کرے پس جب عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ مردوں کو ترغیب دی جائے نظریں نیچی رکھنے کی اور نیز مردوں کے نفوس کا سنورنا متحقق نہیں ہوتا مگر نظریں جھکانے سے اور اپنے نفوس کو پکڑنے سے اس چیز کے ساتھ۔“

شاہ صاحبؒ نے شریعت اسلامیہ کا ایک بہت اہم اصول بیان کیا ہے۔ جب کسی معاملہ کا تعلق دو افراد سے ہو اور شریعت اسلامیہ جب ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیتی ہے تو اس حکم کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فرد کو بھی ویسا حکم دیا جائے تاکہ وہ پہلے فرد کو دیے گئے حکم کے موافق عمل کرے۔ جب عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مردوں سے پردہ کریں تو ساتھ ہی مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ نیز مردوں کے اپنے نفس کی تہذیب کا بھی اسی پر انحصار ہے کہ وہ عورتوں کو بلاوجہ نہ دیکھیں اور غرض بصر کی پابندی کریں۔ اور اپنے نفوس سے مواخذہ و باز پرس کریں۔

اور اس قسم کی اور مثالیں بھی شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا نکاح خود نہ کریں اولیاء کی وساطت سے تمام امور سرانجام ہونے چاہئیں تو ساتھ ہی اولیاء کو بھی حکم دیا کہ عورتوں کی پسند و ناپسند اور رضامندی معلوم کیے بغیر ان کا نکاح نہ کریں۔ جیسا کہ آگے بحث آ رہی ہے۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے حقوق بیان کیے تو ساتھ ہی عورتوں کے حقوق بیان کیے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُؤْطِنَنَّ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكَرَّهُونَ وَلَا يَأْذَنَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكَرَّهُونَ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ (۱۶)

”جان لو کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر اور ان کا تم پر حق ہے تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو نہ بٹھائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔“

فقہی مسالک کے درمیان قرب کی مثال:

فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ بڑی شد و مد سے زیر بحث رہا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟

حنفیہ کا موقف:

اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کفو میں کر سکتی ہے۔ (۱۷) امام مالکؒ کے نزدیک اس قسم کا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا جائے وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ (۱۸) اور دیگر جمہور فقہاء کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا تاہم اگر کسی عورت نے ایسا کر لیا تو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نے اجازت دیدی تو نکاح صحیح ہوگا وگرنہ جائز نہ ہوگا۔ (۱۹)

حنفیہ کے موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء کے موقف سے معلوم ہوا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ احناف اور جمہور کے موقف میں بہت فاصلہ ہے۔

فقہاء کرام کی مذکورہ بالا بحث کے بعد اب شاہ صاحب کی کلام کو مد نظر رکھا جائے تو احناف اور جمہور فقہاء کی رائے میں فاصلہ کم ہوتا نظر آئے گا۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے گزر گئی ہے کہ شاہ صاحب جب کوئی اہم بات یا فائدہ بیان کرتے ہیں تو ”عَلَمٌ“ سے بات شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معرکہ الاراء مسئلہ میں ”لانکاح الابولی“ کے تحت لکھتے ہیں:

اعلم انه لا يجوز ان يحكم في النكاح النساء خاصة لنقصان عقلمن وسوء فكرهن فكثيرا
مالا يهتدين المصلحة ولعدم حماية الحسب منهن غالبا، فربما رغبين في غير الكفء وفي
ذلك عار على قومها، فوجب ان يجعل للاولياء شيئا من هذا الباب لتسد المفسدة (۲۰)
”جان لیجئے نکاح میں صرف فیصلہ کرنے کا اختیار عورتوں کو دیدیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی عقل ناقص اور سوچ ادھوری ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے لیے کونسا قدم اٹھانا بہتر ہے۔ اور عام طور پر ان خاندانی خصوصیات کا لحاظ بھی نہیں کرتیں جو خاندانوں میں اہم ہوتی ہیں چنانچہ وہ کبھی غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہیں جو ان کے خاندان کے لیے شرمندگی بنتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ تمام معاملات اولیاء کے ہاتھوں سرانجام ہوں تاکہ ہر قسم کی خرابی اور فساد سے بچا جاسکے۔“

آگے شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

”اور عام طور پر فطرت کی طرف سے لوگوں میں رائج طریقہ یہی ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہوں، اور ان کے ہاتھ میں ہی معاملات کو کھولنا اور لیٹنا ہو، ان کے ذمہ مصارف ہوں، اور عورتوں کے نکاح میں اولیاء کا ہونا مردوں کی شان بڑھاتا ہے اور عورتوں کا خود نکاح کرنا بے شرمی کی بات ہے جس کا سبب حیاء کی کمی ہے اور اس میں اولیاء کی حق تلفی ہوتی ہے جو ان کی بے قدری کا باعث ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ نکاح کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں فرق ہو جائے اور شہرت کا بہترین طریقہ ہے کہ اولیاء کو نکاح میں شامل کیا جائے۔“ (۲۱)

آخر میں شاہ صاحب نے ایک اور اہم بات کی طرف اپنے مخصوص انداز ”اقول“ کے ساتھ مخاطب کیا ہے:

اقول لا يجوز ايضا ان يحكم الاولياء فقط لانهم لا يعرفون ما تعرف المرأة من نفسها ولان حار العقد وقاره راجعان اليها والاستثمار طلب ان تكون هي الامر صريحا، والاستئذان طلب ان تاذن ولا تمنع وادناه السكوت (۲۲)

”میں کہتا ہوں یہ بھی جائز نہیں کہ صرف اولیاء کو ہی حاکم بنا کر عورتوں کے نکاح کا پورا اختیار دیدیا جائے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتے اس بات کو جسے عورت اپنی ذات کے بارے میں جانتی ہے۔ اور اس لیے کہ عقد کا نقصان اور نفع عورت کی طرف لوٹنے والا ہے۔ اور استئذان اس بات کی طلب ہے کہ وہ ہی صراحتاً حکم دینے والی ہو۔ اور استئذان اس بات کی طلب ہے کہ وہ اجازت دے اور وہ انکار نہ کرے اور اجازت کا ادنیٰ درجہ خاموشی ہے۔“

شاہ صاحب کے اس محققانہ کلام سے احناف اور جمہور دونوں کی رائے قابل عمل ہو گئیں کہ نہ تو بالکل یہ صرف عورت کے ہاتھ میں شادی و بیاہ کا اختیار ہو اور نہ ہی اولیاء کو مکمل طور پر اختیار ہو بلکہ آپس کی مشاورت سے، عورت کی اجازت و رضامندی سے شادی و بیاہ کا یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے تا کہ بعد میں کسی قسم کی تلخیاں اور لڑائی جھگڑے سکون زندگی بر باد نہ کر سکیں۔ مذکورہ مثالوں سے واضح ہوا کہ ”قول“ سے شاہ صاحب عمدہ فوائد و نکات بیان کرتے ہیں۔

۳۔ بسا اوقات ”وَالْأَصْلُ“ کہہ کر اپنے دعویٰ کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اسے ۵۰ سے زائد مقامات پر لائے ہیں۔ جو بنیادی دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کہیں تو ”وَالْأَصْلُ“ کہہ کر آیت کریمہ لاتے ہیں اور کبھی حدیث رسول ﷺ نقل کرتے ہیں اور کہیں عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

آیت کی مثال:

شاہ صاحب نے باب قائم کیا :

باب اسباب نزول الشرائع الخاصة بعصر دون عصر وقوم دون قوم (۲۳)
 ”وہ اسباب جن کی وجہ سے مخصوص زمانوں میں مختلف قوموں کے لیے خاص شریعتیں نازل ہوئیں۔“

اس کے بعد شریعتوں کے مختلف ہونے کے وجوہ اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاصل فیہ قولہ تعالیٰ ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلٰی نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتَلَوْهَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۲۴)
 ”اور بنیاد اس میں اللہ تعالیٰ کا قول، بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز جو اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کی تھی کہہ دو تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔“
 اس کے بعد شاہ صاحب نے باب سے متعلقہ بحث کی ہے اور اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

اور اسی طرح شاہ صاحب نے باب قائم کیا:

باب اسباب النسخ (۲۵)

”نسخ کے اسباب کا بیان۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں:

والاصل فیہ قولہ تعالیٰ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِخْ نَاْتٍ بِخَيْرٍ مُّنها أَوْ مِثْلَهَا﴾ (۲۶)
 ”اور بنیادی دلیل اس میں اللہ تعالیٰ کا قول ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔“

حدیث کی مثال:

لوگوں کی جبلت اور فطرت کے بارے میں کلام کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک باب قائم کیا:

باب اختلاف الناس فی جبلتہم المستوجب لا اختلاف اخلاقہم و اعمالہم و مراتب کمالہم (۲۷)

”جبلت میں لوگوں کے مختلف ہونے کا بیان جو ان کے اخلاق و اعمال اور کمال کے مرتبوں کے مختلف ہونے کا سبب ہے۔“

مذکورہ باب کے قائم کرنے سے شاہ صاحب کا مقصد لوگوں کے اخلاق و اعمال اور کمال میں مختلف ہونے کی وجہ بیان کرنا ہے۔ کہ اس کا سبب لوگوں کی جبلت اور فطرت کا مختلف ہونا ہے جس کی وجہ سے ان کے کمالات و اخلاقیات اور عملیات میں یکسانیت نہیں ہے۔

اس بات کو مزید مدلل کرنے کے لیے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

والاصل فیہ ماروی عن النبی ﷺ انه قال اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ ، و اذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ فلا تصدقوا بہ فانہ یصیر الی ما جبل علیہ (۲۸)

”اور بنیادی دلیل اس میں وہ روایت ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کو مان لو اور جب تم کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کی فطرت بدل گئی ہے تو اس کو مت مانو پس بے شک وہ لوٹنے والا ہے اس فطرت کی طرف جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔“

اسی طرح متعدد مقامات پر شاہ صاحب احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر احادیث کے نقل کرنے کے بعد ان کی صحت و سقم پر بالکل کلام نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات احادیث ضعیفہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحب نے ایک حدیث نقل کی:

لا نکاح إلا بولی (۲۹)

”ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔“

جبکہ محققین نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے۔ امام علاء الدین کاسانی (م-۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

لا نکاح إلا بولی مع ما حکى عن بعض النقلة ان ثلاثة احاديث لم تصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعد من جملتها هذا ولهذا لم يخرج في الصحيحين (۳۰)

”لانکاح إلا بولی کے بارے میں بعض اہل علم نے نقل کیا ہے کہ تین احادیث نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت نہیں کی گئیں اور ان میں ایک یہی حدیث ہے اسی لیے صحیحین میں اس کی تخریج نہیں ہے۔“

شیخ جمال الدین رومی الباہرتی (م-۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

روی عن یحیی بن معین رحمہ اللہ انه قال : الاحادیث الثلاثة لیست بثابتة عن رسول اللہ ﷺ احدھا قوله علیہ الصلاۃ والسلام لا نکاح إلا بولی وشاہدی عدل (۳۱)

”یحییٰ بن معین سے روایت کی گیا کہ تین احادیث حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک لائکاح
را بولی و شاہدی عدل ہے۔“

امام بدرالدین عینی (م-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وقال یحییٰ بن معین و اسحاق بن راہویہ تنسب إلیہ ثلاثہ احادیث لم تثبت عن رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احدھا لا نکاح إلا بولی (۳۲)

”یحییٰ بن معین اور اسحاق بن راہویہ نے کہا تین احادیث کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی جاتی ہے مگر وہ آپ
ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک ہے۔ لائکاح را بولی“

علامہ ابن نجیم (م-۹۷۰ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۳۳) اور یہی رائے علامہ

شامی (م-۱۲۵۲ھ) کی ہے (۳۴)

اسی طرح شرک کی صورتیں بیان کرتے ہوئے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:
فی الحدیث ان حواء سمّت و لَدَھا عبد الحَرث و کَانَ ذَٰلِکَ مِنْ وَحی الشَّیْطَانِ وَ قَدْ ثَبِتَ
فِی احادیث لا تحصى ان النبی ﷺ غیر اسماء اصحابہ عبدالعزیز و عبدشمس و نحو
ہما الی عبداللہ و عبدالرحمن و ما اشبهہما فہذہ اشباح و قوالب للشرک نہی الشارع
عنہا لکونہا قوالب لہ و اللہ اعلم (۳۵)

”اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا اور یہ نام رکھنا شیطان کے اشارے
سے تھا اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ناموں کو بدل دیا
اور عبدالعزیز، اور عبدالشمس اور ان کے مانند ناموں کی جگہ عبداللہ، عبدالرحمن اور ان سے ملتے جلتے نام
رکھے۔ غرض یہ شرک کی صورتیں اور سانچے ہیں شریعت نے ان سے اس لیے منع کیا کہ شرک ان سانچوں میں
ڈھل کر تیار ہوتا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔“

شاہ صاحب نے حضرت حواء کے واقعہ والی جو حدیث نقل کی ہے اس کو محققین نے ضعیف اور اسرائیلات میں شمار

کیا ہے۔ امام بن کثیر (م-۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

والغرض ان هذا الحدیث معلول من ثلاثة اوجه احدھا ان عمر بن ابراهیم هذا هو
البصری وقد وثقه ابن معین، ولكن قال ابو حاتم الرازی لا یحتج بہ،... الثانی انه قدر وی
من قول سمرة نفسہ لیس مرفوعا، كما قال ابن جریر: حدثنا ابن عبد الاعلی، حدثنا
المعتمر عن ابیہ، حدثنا بکر بن عبد اللہ بن سلیمان التیمی عن ابی العلاء بن الشخیخ عن
سمرة بن جندب قال: سمی آدم ابنہ عبد الحارث. الثالث ان الحسن نفسہ فسر الآیة
بغیر هذا، فلو كان هذا عنده عن سمرة مرفوعا لما عدل عنه قال ابن جریر حدثنا ابن

و کعب حدثننا سهل بن يوسف عن عمرو عن الحسن جعلاً له شرکاء فیما آتاہما قال کان
ہذا فی بعض اهل الممل و لم یکن بآدم (۳۶)

”اور خلاصہ یہ کہ یہ حدیث کئی وجہوں سے معلول (کنزور) ہے۔ پہلی وجہ اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کو
اگرچہ ابن معین نے ثقہ کہا ہے مگر ابوحاتم رازی نے کہا اس کی روایت قابل حجت نہیں، دوسری وجہ یہی روایت
حضرت سمرہ سے موقوف روایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ابن جریر نے کہا کہ سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ حضرت آدم
نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ اور تیسری وجہ اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری نے اس کے
علاوہ تفسیر کی ہے۔ اگر یہ حضرت سمرہ نے مرفوعاً بیان کی ہوتی تو یہ اس سے اعراض نہ کرتے۔ ابن جریر نے کہا
کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم کا واقعہ نہیں بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔“
امام ابن کثیر کے کلام کا حاصل نکات کی صورت میں درج ذیل ہے۔

۱- اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کی روایت کو امام ابوحاتم رازی نے ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

۲- حضرت سمرہ بن جندب سے یہ روایت موقوفاً نقل کی گئی ہے۔

۳- اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری فرماتے ہیں یہ حضرت آدم کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ

ہے۔

ان وجوہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

اس مقام پر ایک وزنی سوال ہے کہ شاہ صاحب جیسے جلیل القدر عالم جن کی پہچان ہی محدث دہلوی کے نام سے ہے
ان سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف احادیث بھی نقل کریں اور ان سے استدلال کریں؟
علامہ زاہد الکوثریؒ کے شاہ صاحب پر اعتراضات:

علامہ زاہد الکوثریؒ (م-۱۳۶۸ھ) نے شاہ صاحب پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے ایک یہی ہے ”کہ آپ
کی نظر صرف متون حدیث کی طرف ہے، اسانید کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔“ علامہ کوثریؒ نے شاہ صاحب کی علمی خدمات کو
کھلے دل سے سراہا ہے مگر اس کے بعد چند مقامات پر آپ کے بعض افکار پر کڑی تنقید کرتے ہوئے گرفت بھی کی ہے۔
علامہ کوثریؒ لکھتے ہیں:

”ولہ رحمة اللہ خدمة مشكورة فی انہاض علم الحدیث فی الہند، لکن هذا لا یبیح لنا
السکوت عما ینطوی علیہ من اعمال تجافی الصواب“ (۳۷)

”آپ کی ہندوستان میں علم الحدیث کی اشاعت میں قابل تشکر خدمات ہیں۔ لیکن محض اس بات کی وجہ سے
ہم آپ کی بیان کردہ ان باتوں پر خاموشی نہیں اختیار کر سکتے جو درستگی سے دور ہیں۔“
اس کے بعد علامہ کوثریؒ نے جو مباحث شروع کی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

- ۱۔ شاہ صاحب اعتقادی اور فروعی مسائل میں حنفی مذہب پر تھے۔ اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے موقف ”توحید شہودی“ کے قائل تھے۔ مگر جب آپ حجاز تشریف لے گئے تو شیخ ابوطاہر بن ابراہیم سے صحاح ستہ کی تعلیم حاصل کی، اور ان کے والد ابراہیم کی کتب کا گہرا اثر قبول کیا جب کہ ان کی کتب میں ہر قسم کی آراء موجود تھیں۔ چنانچہ آپ فقہ اور تصوف میں ان کی طرف مائل ہو گئے۔ اور جب ہندوستان لوٹ کر آئے تو اپنے گھر والوں اور خاندان کے مذہب سے انحراف کیا۔ یعنی فقہ، تصوف اور اعتقادی مسائل میں خاندانی مذہب (مسلم) کو چھوڑ دیا اور ”توحید شہودی“ کی جگہ ”توحید وجودی“ کے قائل ہو گئے۔
- ۲۔ شاہ صاحب اللہ تعالیٰ کے شکل و صورت میں تجلی فرمانے کے قائل ہیں۔ اور اس کے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا مظاہر میں ظہور ہوتا ہے اور آپ کے خیال میں یہ اکابر کا عقیدہ ہے۔ جبکہ یہ بات تو ان لوگوں کے مطابق ہے جو حلول کے قائل ہیں۔ جید علماء کے نزدیک اس قسم کا قول قابل ترک ہے۔
- ۳۔ صحاح ستہ کی احادیث کے متون کی طرف آپ کی خاصی توجہ ہے اسانید کی طرف نہیں ہے۔ جبکہ اہل علم کے ہاں صحیحین کی اسانید پر بھی نظر کی جائے گی۔ اور اسی طرح جب فروعی (فقہی) مسائل میں اسناد کو پرکھا جاتا ہے جیسا کہ اہل علم کا طریقہ کار رہا ہے۔ تو اعتقادی مسائل میں کس طرح اسناد کی طرف نظر نہ کرنے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ شاہ صاحب نے فقہی مسائل ہوں یا اعتقادی مسائل ہوں صرف متون حدیث کی طرف توجہ کی ہے اسانید کو نظر انداز کیا ہے۔ اور محض صحاح ستہ کے متون پر اکتفاء کرنا اور اسناد کو نظر انداز کرنا یہ مذہب فقہاء اور ائمہ کی مسانید میں تحکم پر بڑی جرات ہے۔ تاریخ کے امام اور ماہر محقق پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ شاہ صاحب کا ”شق قمر“ کے بارے میں موقف یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا تھا بلکہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوا تھا۔ علامہ کوثری کہتے ہیں کہ رسولوں کی شان میں سے نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کریں۔ یہ موقف شاہ صاحب کا تفرد ہے۔
- ۵۔ حدیث کے مشکل مقامات کی تشریح کرتے ہوئے آپ عالم مثال کے قائل ہیں جس میں معانی (وہ چیزیں جن کا دنیا میں جسم نہیں ہے۔) جسم کی شکل پاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہیں۔ جبکہ شرعاً اور عقلاً اس قسم کے کسی عالم کا وجود ثابت نہیں ہے۔ اور کسی چیز کو ایسی حالت پر محمول کرنا جس کو قرون اولیٰ کے لوگ نہ سمجھتے ہوں وہ محض ایک خیال اور گمراہی ہے۔ چنانچہ اسناد، رجال اور وجوہ دلالت پر نظر کیے بغیر جو کہ ائمہ صالحین کے ہاں معتبر ہے، حدیث کے مشکل مقامات کی تشریح کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- ۶۔ آپ کا مطالعہ کتب محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات آپ متقدم علماء کے اقوال و موقف پر جو تبصرہ کرتے ہیں وہ ادھورا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کی اصل کتب کی طرف آپ نے مراجعت نہیں کی ہوتی جس کی وجہ سے ان علماء کے اصول مذہب اور موقف میں اختلاف محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے فقہ حنفی کے بعض فقہی اصولوں پر جو کلام کیا ہے وہ

اسی قبیل سے ہے۔ اگر متقدمین حنفیہ کی کتب اصول مثلاً عیسیٰ بن ابان کی الحجاج الکبیر، الحجاج الصغیر، ابوبکر رازی کی فصول، القفانی کی شامل، ظاہر الروایت کی کتب کی شروح کا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

۷۔ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ عالم قدیم ہے جب کہ جمہور کے ہاں عالم حادث ہے۔ اور سنن ترمذی میں ابوزین کی حدیث ”فی العما“ سے آپ نے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے جبکہ اس کے راوی نے جو اس کی تشریح کی ہے اس کو آپ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اس میں حماد بن سلمہ اور کعب بن حدس متکلم فیہ راوی موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کا اثبات یا عالم کو قدیم ثابت کرنا یہ قرآنی تعلیمات کے منافی ہے، جس شخصیت کی حدیث میں ایسی صورت حال ہو تو احکام کے دلائل میں اسے کیسے منصف مان لیا جائے۔ (۳۸)

علامہ کوشریؒ کے مذکورہ اعتراضات کے جوابات تفصیل کے متقاضی ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور مقالہ میں اس پر تفصیلی قلم اٹھایا جائے گا۔ اگر کوئی اور صاحب علم بھی اس پر کام کرنا چاہے تو میدان خالی ہے۔ بہر کیف ان اعتراضات میں سے تین کا تعلق زیر نظر مقالہ کے مباحث سے ہے۔ ان کا اجمالی جواب شاہ صاحب کے کلام سے ہی پیش کیا جائے گا۔ علامہ کوشریؒ کا یہ اعتراض کہ ”شاہ صاحب کی نظر صرف متون حدیث تک ہے اسناد پر توجہ نہیں ہے۔“

اس سوال کا جواب ”حجۃ اللہ البالغۃ“ کی ہی ایک عبارت سے پیش کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”وانما الاقرب من الحق باعتبار فن الحديث ما خلاص بعد تدوين احاديث البلاد و آثار فقهاؤها و معرفة المتابع عليه من المتفرد به و الاكثر رواة و الاقوى رواة مما هو دون ذلك على انه ان كان شئى من هذا النوع استطرادا فليس البحث عن المسائل الاجتهادية و تحقيق الاقرب منها للحق بدعا من اهل العلم ولا طعنا فى احد منهم.“ (۳۹)

”اور فن حدیث کی رو سے وہ احادیث حق سے زیادہ قریب ہیں جو مالک اسلامیہ میں مدون ہوئیں اور ان میں سے قابل اعتماد ہو کر سامنے آئیں اور فقہاء نے جن کی تائید کی اور متابعات نے ان کے تفرد کو دور کیا جن کے راوی بکثرت رہے اور اسانید و روایات قوی تر ہیں اس قسم کی احادیث حق کے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت ان احادیث کہ جن میں یہ صفات نہیں ہیں البتہ اگر اس قسم کی کوئی حدیث تبعا بطور تائید پیش کی جائے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، کیونکہ مسائل اجتہاد یہ میں بحث کرنا اور جو حق سے قریب تر اسے ثابت کرنا علماء کرام کے نزدیک کوئی بدعت نہیں ہے نہ اس کی وجہ سے ان علماء کی شان میں کوئی طعن ہو سکتا ہے۔“

شاہ صاحب کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں احادیث پر اس لیے کلام نہیں کرتے کہ آپ نے ان احادیث کو ہی ذکر کیا ہے جن کو مشہور محدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ اور وہ قابل اعتماد روایات ہیں۔ لہذا مذکورہ اعتراض کا جواب ہو گیا کہ شاہ صاحب اس لیے احادیث کی صحت و سقم پر کلام نہیں کرتے کہ آپ کی تحقیق کے

مطابق یہ روایات صحیح ہیں۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ روایات ضعیف ہیں تو اس کا جواب بھی شاہ صاحب کے کلام سے ملتا ہے۔ کہ ایسی احادیث کو ضمناً و تبعاً بطور تائید کہ پیش کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ اجتہادی مسائل میں بحث کرنا اور احق کی معرفت اہل علم کے نزدیک بدعت نہیں ہے۔

باقی آپ کے تفردات اور مطالعہ کتب کے محدود ہونے کا پس منظر کیا ہے۔؟ ان اعتراضات کے جوابات آگے

آ رہے ہیں۔

عقلی دلیل کی مثال:

شاہ صاحبؒ تدبیر منزل کے بیان میں فرماتے ہیں:

وهو الحكمة الباقية عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المنزل على الحد الثاني من

الارتفاق وفيه اربع جمل الزواج، والولادة والملكة والصحة (۴۰)

”اور تدبیر منزل وہ حکمت ہے جو ارتفاق کی حدثانی پر ایک گھر کے باشندوں میں پائے جانے والے ربط و تعلق

کی کی نگہداشت کی کیفیت سے بحث کرنے والی ہے۔ اس فن میں چار جملے ہیں۔ ازدواج، ولادت، ملکیت اور

رفاقت۔“

مرد و عورت کے درمیان قربت و رفاقت کی وجہ جماع کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے قریب

آتے ہیں۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”و الاصل في ذلك ان حاجة الجماع اوجبت ارتباطا واصطحابا بين الرجل والمرأة.“ (۴۱)

”اور بنیادی دلیل اس ازدواج میں یہ ہے کہ جماع کی ضرورت نے مرد اور عورت کے درمیان باہمی تعلق اور

رفاقت ثابت کی ہے۔“

۴۔ کئی مقامات پر اجمالاً بات کرنے کے بعد ”ومئہا“ (اور ان میں سے) کے تحت اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اور

اسے ۲۵۰ سے زائد مقامات پر لائے ہیں۔

مثال:

شاہ صاحب دین اسلام کے دیگر مذاہب پر غلبہ کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وغلبة الدين على الاديان لها اسباب“ (۴۲)

”اور دین اسلام کو عالم کے تمام ادیان پر غالب اور بلند و بالا کرنے کے چند اسباب ہیں۔“

اس کے بعد ”ومئہا“ سے اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”منها اعلان شعائره على شعائره سائر الاديان وشعائره الدين امر ظاهر يختص به يمتاز صاحبه

به من سائر الاديان كالختان وتعظيم المساجد والاذان والجمعة والجماعات.“ (۴۳)

”اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ، اسلامی شعائر کو دیگر ادیان کے شعائر پر ظاہر کرنا۔ اور دین کا شعار وہ

ظاہری معاملات ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔ جس کے ذریعے صاحب شعائر تمام ادیان سے ممتاز ہوتا ہے۔ جیسے ختنہ کرانا، مساجد کی تعظیم کرنا، اذان، جمعہ اور جماعتیں۔“
اور آگے لکھتے ہیں:

”ومنہا ان یقبض علی ایدی الناس الا یظہروا شعائر سائر الادیان (۴۴)
”اور ان میں سے یہ کہ امام لوگوں کے ہاتھوں کو پکڑ لے کہ وہ دیگر ادیان کے شعائر کو ظاہر نہ کریں۔“
یعنی دیگر ادیان کے شعائر کے ظاہر کرنے پابندی عائد کر دی جائے۔ اور آگے مزید لکھتے ہیں:
”ومنہا الا یجعل المسلمین اکفاء للكافرين في القصاص والديبات ولا في المناكحات ولا في القيام بالرياسات لیجنہم ذالک الی الایمان الحناء“ (۴۵)
”اور ان اسباب میں سے، کہ مسلمان اور کافروں کو قصاص و دیت میں برابر نہ رکھا جائے اور نہ نکاح کے معاملوں میں، اور ریاست کے انتظام و انصرام میں تاکہ یہ امتیاز ان میں ایمان کی رغبت پیدا کرے۔“
اور آگے لکھتے ہیں:

”ومنہا ان یکلف الناس باشباح البر والائم ویلزمہم ذالک الزما عظیما (۴۶)
”اور ان میں سے یہ کہ لوگوں کو نیکی اور گناہ میں ظاہری اعمال کا حکم دیا جائے اور تاکید کے ساتھ ان کو لازم کیا جائے۔“

- شاہ صاحب کے مذکورہ کلام ”دین اسلام کو دیگر مذاہب پر غالب کرنے کے اسباب“ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔
- ۱۔ دین اسلام کے شعائر کو دنیا کے تمام ادیان اور مذاہب کے شعائر سے بلند و بالا رکھا جائے اور یہ شعائر بالکل واضح ہوں اور انہی کے لیے مخصوص ہوں کہ ان شعائر کو اختیار کرنے والے دیگر مذاہب سے الگ ہو جائیں۔ مثلاً ختنہ، مسجدوں کی تعظیم، اذان، جمعہ اور جماعتیں وغیرہ۔ اس سے دیگر ادیان پر دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔
 - ۲۔ دیگر مذاہب والوں کو ممانعت کر دی جائے کہ وہ اپنے مذہبی شعائر کو ظاہر اور بر ملا اختیار نہ کریں۔
 - ۳۔ قصاص، دیت، نکاح اور دیگر ریاست کے اہم عہدوں پر کافروں کو مسلمانوں کے برابر نہ کیا جائے تاکہ وہ ایمان کی طرف رغبت کریں۔
 - ۴۔ امام وقت لوگوں کو نیکی اور بدی کی ظاہری صورتوں کا پابند کرے کہ اس قسم کے ظاہری کام نیکی ہیں جو کرنے ہیں اور اس قسم کے کام گناہ ہیں جن سے بچنا ہے۔
- واضح رہے کہ مسلمان اور کافر کی دیت میں جو فرق شاہ صاحب نے کیا ہے۔ احناف کا موقف اس سے مختلف ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک مسلمان کو قصاصاً کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر کی دیت بھی مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔ شاہ صاحب حدیث نقل کرتے ہیں:

”لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ لِّكَافِرٍ“ (۴۷)

”کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔“

اس حدیث کی تشریح میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اقول والسر فی ذالک ان المقصود الاعظم فی الشرع تنویہ الملة الحنیفیة ولا یحصل

الابان یفضل المسلم علی الکافر ولا یسوی بینہما۔“ (۴۸)

”میں کہتا ہوں اس میں یہ حکمت ہے کہ شریعت اسلامیہ کا عظیم ترین مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفیہ کی عظمت

وشوکت قائم کی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ کافر کے مقابلہ میں مسلمان کی فضیلت

وبرتری قائم کی جائے اور کافر و مسلمان کے درمیان مساوات نہ رکھی جائے۔“

اسی طرح دیت کے مسئلہ میں شاہ صاحب حدیث نقل کرتے ہیں:

”دِیۃُ الْکَافِرِ نِصْفُ دِیۃِ الْمُسْلِمِ“ (۴۹)

”کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔“

اس حدیث کی تشریح میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اقول السبب فی ذالک ما ذکرنا قبل انه یجب ان ینوہ بالملة الاسلامیة وان یفضل

المسلم علی الکافر ولان قتل الکافر اقل افساد ابین المسلمین و اقل معصیۃ فانه کافر

مباح الاصل یندفع بقتله شعبۃ من الکفر وهو مع ذالک ذنب وخطیئة و افساد فی الارض

فناسب ان تخفف دیتہ“ (۵۰)

”میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سے ملت اسلامیہ کی شان وشوکت اور

عظمت مقصود ہے نیز یہ بھی وجہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے مقابلہ میں برتری دی جائے۔ نیز یہ کہ کافر کا قتل

مسلمانوں کے درمیان فساد پیدا کرنے کے لحاظ سے کم ہے۔ اور کافر کو قتل کرنے کا گناہ بھی بہت کم ہے کیونکہ

کافر مباح الاصل ہے۔ اس کے قتل کرنے سے کفر کی ایک شاخ دور ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی کافر کو قتل کرنا

گناہ، خطا اور زمین میں فساد پھیلانا ہے اس لیے دیت میں تخفیف ہی مناسب ہے۔“

کافر اور مسلمان کے قصاص و دیت میں فرق کے لحاظ سے شاہ صاحب کا موقف بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے

آ گیا کہ اس میں شریعت اسلامیہ کا مقصود ملت اسلامیہ کی شان وشوکت ہے۔ مالکیہ کا موقف بھی یہی ہے کہ کافر ذمی کی دیت

مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔ (۵۱) اور اسی طرح کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۵۲) مگر احناف کے

ہاں کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ اور اگر کسی مسلمان نے کافر ذمی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں اس مسلمان

کو قتل کیا جائے گا۔

امام محمد بن حسن الشیبانی (م-۱۸۹ھ) نے اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں:

”والاحادیث فی ذالک کثیرة عن رسول اللہ ﷺ مشهورة معروفة انه جعل دية الكافر مثل دية المسلم وروی ذالک افقہم و اعلمہم فی زمانہ و اعلمہم بحديث رسول اللہ ﷺ ابن شہاب الزہری ف ذکر ان دية المعاهد فی عهد ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم مثل دية الحر المسلم“ (۵۳)

”اور اس بارے میں بہت سی مشہور و معروف احادیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے کافر کی دیت کو مسلمان کی دیت کے مثل مقرر کیا۔ اور یہ روایت کرنے والے اپنے زمانہ میں ان سے زیادہ حدیث رسول ﷺ کے افقہ و اعلم ہیں۔ امام ابن شہاب زہری نے ذکر کیا کہ معاہد کی دیت حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے زمانہ میں آزاد مسلمان کی دیت کے مثل تھی۔“

شیخ جمال الدین ابو محمد علی بن ابی یحییٰ (م-۶۸۶ھ) نے بھی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (۵۴) اسی طرح امام زیلعی نے بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔ (۵۵) اور مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کرنے کے بارے میں صاحب ہدایہ نے تفصیلی بحث کی ہے۔ (۵۶)

۵۔ قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح اور شریعت اسلامیہ کی تعبیر کرتے وقت شاہ صاحب جو رائے قائم کرتے ہیں وہ اکثر ان کی اپنی ہوتی ہے۔ ایسا شاذ و نادر ہے کہ آپ اپنے سے پہلے گزرنے والے اہل علم کی کتب سے اقتباس اور حوالہ دیں۔ جہاں یہ بات آپ کی علییت کی دلیل ہے وہیں پر حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والے کے لیے بہت بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ اس لیے کہ اکثر مقامات پر آپ کی ذاتی رائے ہوتی ہے اور سابقہ کتب سے آپ نے وہ بات نقل نہیں کی ہوتی بلکہ آپ پر القاء یا الہام ہوتی ہے اور اس کا ماخذ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مضامین کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ رائے کسی سابقہ کتب سے لی گئی ہو تو اس کتاب سے مراجعت کر کے اس کا سمجھنا آسان ہے۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے بہت سے مضامین تک اچھے خاصے علم رکھنے والے کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اس کتاب میں دیگر اہل علم کے حوالے اور اقتباس ہیں مگر بہت کم تعداد میں ہیں۔ شاہ صاحب کی اس کتاب میں دیگر اہل علم کے زیادہ حوالے کیوں نہیں ملتے؟ یا بقول علامہ کوثری ”آپ کا مطالعہ محدود تھا“ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب بھی شاہ صاحب کے کلام سے نقل کیا جاتا ہے:

”وانہ لا یتسانی منی الامعان فی تصفح الاوراق لشغل قلبی بمالیس له فوافق ولا یتیسر لی التناهی فی حفظ المسموعات لا تشدق بها عند کل جاء و آت وانما انا المتفرد بنفسه المجتمع“ (۵۷)

”اور میرے لیے کتابوں کی ورق گردانی آسان نہیں ہے کیوں کہ میرا دل ایسے معاملہ میں مشغول ہے جس سے مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔ اور میرے لیے اساتذہ سے سنی ہوئی باتوں کو یاد رکھنے میں آخری حد تک پہنچنا بھی آسان نہیں کہ میں ہر آنے اور جانے والے کے سامنے انہیں بیان کروں، میں اپنی ذات کے ساتھ تہا ہونے

والا ہوں۔“

چونکہ شاہ صاحب ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف و مشغول رہتے تھے اس لیے زیادہ کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کرتے تھے۔ ان کے زیادہ تر علوم کسی والقائی ہیں۔ اس لیے آپ کی کتابوں میں کتب متقدمین کی عبارات و اقتباسات بہت کم ہیں۔

۶۔ شاہ صاحب کا انداز تحریر اور الفاظ کا استعمال فصاحت و بلاغت کے لحاظ اس قدر بلند ہے کہ عام قاری کی اس تک رسائی نہیں ہو سکتی اور بعض مقامات پر عبارت اس قدر مغلق اور دقیق ہے کہ متعدد الفاظ کا مفہوم لغت کا سہارا لیے بغیر سمجھ میں نہیں آتا اور یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے کہ یہاں پر یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ اس لیے کتاب سے کما حقہ استفادہ کے لیے عربیت و ادبیت میں اعلیٰ استعداد کی ضرورت ہے۔

۷۔ شاہ صاحب اس قدر مختصر انداز میں مضامین کو تحریر کرتے ہیں کہ بڑی طویل بحثوں کو چند جملوں میں سمیٹ دیتے ہیں۔ بعض اوقات اسی حد سے زیادہ اختصار کی وجہ سے مضامین گرفت میں نہیں آتے۔

۸۔ شاہ صاحب نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جس سے اجتہاد و تحقیق پر طاری جمود کا خاتمہ ہو گیا کہ ہر بات میں وہی حق ہے جو سلف نے کہہ دیا ہے مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ غیر منصوص فروری مسائل جن میں علماء کی بحثیں ہوئی ہیں اگر مجبوری اور ضرورت کے وقت اس قسم کے مسائل میں مزید توضیح و تشریح کی ضرورت پیش آئے تو شاہ صاحب کا موقف یہ ہے کہ ہم پر لازم نہیں کہ ہم ان پہلے علماء کی ہر اس بات میں موافقت کریں جو انہوں نے کہی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں آپ نے جو تفصیلی کلام کیا ہے وہ بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”فلیس کل ما استنبطوہ من الكتاب والسنة صحیحا او راجحا ولا کل ما حسبہ ہولاء متوفقا علی شئی مسلم التوقف ولا کل ما اوجبوا ردہ مسلم الرد ولا کل ما امتنعوا من الخوض فیہ استصعبا بالہ صعبا فی الحقیقۃ ولا کل ما جاوا بہ من التفصیل والتفسیر احق مما جاء بہ غیرہم“ (۵۸)

”یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ان علماء نے کتاب و سنت سے مستنبط کیا ہے وہ بالکل صحیح اور راجح ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ان علماء نے کسی مسئلہ کو کسی چیز پر موقوف سمجھا وہ حقیقت میں بھی اس پر موقوف ہو، یا جس چیز کی انہوں نے تردید واجب سمجھی اس کی تردید واجب سمجھی جائے، یا جن امور پر غور و غوض انہوں نے دشوار خیال کیا اور واقعہ میں بھی وہ دشوار ہی ہوں، یا جو تفصیل و تفسیر انہوں نے پیش کی وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہو۔“

شاہ صاحب کی مذکورہ رائے کو نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ یہ بات ضروری نہیں کہ سابقہ علماء کے قرآن و حدیث سے اخذ کیے ہوئے مسائل صحیح اور راجح ہوں جو لوگ ان کے

- بعد آئے ان کی تحقیقات بھی صحیح اور راجح ہو سکتی ہیں۔
- ۲۔ متقدم علماء نے کسی مسئلہ کو کسی دوسری چیز پر موقوف سمجھا، یہ ضروری نہیں کہ نفس الامر میں ایسا ہی ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے غلط ہو۔
- ۳۔ سابقہ علماء نے جس چیز کی تردید کرنا لازمی سمجھی، ضروری نہیں کہ بعد میں آنے والے لوگوں پر بھی اس کی تردید واجب ہو۔ اس لیے کہ یہ ان کی رائے ہے جس کی اتباع کرنی دوسروں کے لیے ضروری نہیں ہے۔
- ۴۔ ہر وہ معاملہ جس پر غور و فکر کرنے کے بعد سابقہ علماء نے سمجھا کہ یہ مشکل اور حل نہ ہونے والا مسئلہ ہے، ضروری نہیں کہ وہ مسئلہ یا معاملہ حقیقت میں بھی حل نہ ہو سکتا ہو عین ممکن ہے بعد والے لوگ زیادہ اچھے طریقے سے اس کا حل پیش کر دیں۔
- ۵۔ علماء متقدمین نے جن آیات و احادیث کی تفسیر و تفصیل بیان کی ہے، ضروری نہیں کہ وہ دیگر بعد میں آنے والے اہل علم کی بیان کردہ تفسیر و تشریح سے زیادہ قبولیت کی حقدار ہو۔ عین ممکن ہے کہ بعد والے لوگ ان پر سبقت لے جائیں۔
- آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:
- ”اما هؤلاء الباحثون بالتخريج والاستنباط من كلام الاوائل المنتحلون مذهب المناظره والمجادلة فلا يجب علينا ان نوافقهم في كل ما يتفوهون به ونحن رجال وهم رجال والامر بيننا وبينهم سجال“ (۵۹)
- ”بہر حال وہ لوگ جو متقدمین کے اقوال و کلام سے اخذ و استنباط کے ذریعہ بحث کرنے والے ہیں۔ مناظرہ اور مجادلہ جن کا مذہب ہے۔ ان کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات سے موافقت کرنا ہمارے لیے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ آدمی ہیں تو ہم بھی آدمی ہیں۔ اور معاملہ ہمارے اور ان کے درمیان کنویں کا ڈول ہے۔“
- شاہ صاحب نے اپنا موقف واضح کر دیا کہ وہ لوگ جن کا کام ہی مناظرہ و مجادلہ ہے ان کی ہر بات کو ہم کیوں تسلیم کریں وہ بھی انسان ہیں تو ہم بھی انسان ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان معاملہ بالکل ایسے ہے جیسے کنویں پر لڑکا ہوا ڈول جو بھی پہلے آئے گا وہ پانی بھر لے گا۔
- ۹۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر شاہ صاحب نے ایسا موقف اختیار کیا ہے جس کا جمہور علماء و فقہاء میں کوئی قائل نہیں ہے۔ ان باتوں کے بیان کرنے میں شاہ صاحب منفرد ہیں اور اس قسم کی آراء کو آپ کے تفردات میں شمار کیا جائے گا۔
- شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”وستجدنى اذا غلب على شقشقة البيان وامعنت في تمهيد القواعد غاية الامعان ربما اوجب المقام ان اقول بما لم يقل به جمهور المناظرين من اهل الكلام كتجلى الله تعالى

فی مواطن المعاد بالصور والاشکال وکتابات عالم لیس عنصر یا یكون فيه تجسد المعانی والاعمال باشباح مناسبة لها فی الصفة وتخلق فيه الحوادث قبل ان تخلق فی الارض وارتباط الاعمال بهیات نفسانیة وكون تلك الهیات فی الحقيقة سببا للمجازاة فی الحیات الدنیا وبعد الممات والقول بالقدر الملزم ونحو ذلك“ (۶۰)

”اور عنقریب آپ مجھے پائیں گے جب مجھ پر زور بیان کا غلبہ ہوگا، اور میں نہایت غورخوض سے قواعد و ضوابط تیار کروں گا، بسا اوقات اس مقام کا تقاضا ہوگا کہ میں وہ بات کہوں جو علمائے کلام میں سے کسی نہیں کہی ہوگی، مثلاً اللہ تعالیٰ کا آخرت میں شکل و صورت میں تجلی فرمانا، اور ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جس کا وجود ترکیب عنصری سے بالاتر ہے۔ جن میں معانی اور اعمال مختلف حالات میں مختلف قابلوں میں مناسب شکل و صورت میں مجسم اور متشکل ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس عالم مثال میں وہ تمام حوادث و واقعات جو بعد میں جا کر زمین پر ظاہر اور رونما ہونے والے ہیں، پہلے سے ہی رونما ہو جاتے ہیں۔ اور اعمال انسانی کا قلبی کیفیات سے ایک خاص تعلق اور ربط اور انہی حالتوں کا درحقیقت دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا موجب ہونا ہے۔ اور تقدیر ملزم کا قائل ہونا اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں۔“

شاہ صاحب کے تفردات کو نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

- ۱- آخرت میں اللہ تعالیٰ کا شکل و صورت میں تجلی فرمانا جبکہ جمہور علماء اللہ تعالیٰ کو شکل و صورت سے پاک قرار دیتے ہیں۔
- ۲- علماء نے دو عالم بیان کیے ہیں۔ عالم دنیا اور عالم آخرت، جبکہ شاہ صاحب کے نزدیک ایک عالم مثال بھی ہے جس کا وجود ترکیب عنصری سے بالاتر ہے یعنی وہ غیر مادی جہاں ہے اور اس میں معنوی چیزوں اور اعمال کو بھی جسم ملتا ہے اور پہلے اس عالم میں واقعات و حوادث کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ دنیا میں رونما ہوتے ہیں۔
- ۳- علماء نے جزا و سزا کا سبب اعمال انسانی کو قرار دیا ہے جبکہ شاہ صاحب کے نزدیک قلبی کیفیات (نیت وغیرہ) جزا و سزا کا اصل سبب ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہی اعمال کا ربط و تعلق ہوتا ہے۔
- ۴- علماء کے نزدیک تقدیر دو قسم کی ہے۔ تقدیر معلق اور تقدیر ملزم، جبکہ شاہ صاحب کے نزدیک صرف تقدیر ملزم ہی ہے۔

شاہ صاحب کے تفردات کا پس منظر:

شاہ صاحب کے مذکورہ تفردات محض ان کے وجدانی خیالات کا مجموعہ نہیں ہیں بلکہ قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین سے آپ نے یہ مسائل اخذ کر کے اپنا موقف پیش کیا ہے۔ چنانچہ علامہ کوثریؒ کا شاہ صاحب کے ”تفردات“ پر اعتراض کا جواب بھی شاہ صاحب کے کلام سے نقل کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”فاعلم انی لم اجتری علیه الابد ان رایت الآیات والاحادیث و آثار الصحابة والتابعین متظاهرة فیہ و رایت جماعات من خواص اهل السنة المتمیزین منهم بالعلم اللدنی یقولون

به وينون قواعدهم عليه“ (۶۱)

”جاننا چاہیے کہ میں نے اس پر لکھنے کی تھی جرات کی جب میں نے قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین کو اپنا موید پایا، نیز علماء اہل سنت میں سے مخصوص علماء کو جو علم لدنی کی وجہ سے دیگر علماء سے ممتاز ہیں اس میں کلام کرتے اور ان پر قواعد کی بنیاد رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

مذکورہ بحث کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے تفردات بلا دلیل نہیں ہیں بلکہ نصوص پر گہرے غور و فکر کے بعد آپؒ نے وہ رائے قائم کی ہے۔ اور ان تفردات کے کے پیچھے عقلی نقلی دلائل ہیں جو آپ کے موقف کے موید ہیں۔ شاہ صاحبؒ سے اختلاف رائے کرتے ہوئے بعض مقامات پر علامہ کوثریؒ کا قلم زیادہ ہی کاٹ دار واقع ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ محض تفردات سے نہ کسی شخصیت کی علمیت کا انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے افکار کی بالکل تردید واجب ہوتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو شاید ہی تاریخ اسلام میں کوئی ایسا نامور عالم یا فقیہ ملے جس کے تفردات نہ ہوں تو کیا ان اکابر کی تحقیقات کو ان کے بعض تفردات کی وجہ سے ترک کر دیا جائے گا۔ اس پر بھی اگر کوئی اہل علم کام کرنا چاہے تو میدان خالی ہے۔ اور کیا خوب ہوگا اگر وہ یہ عنوان رکھ لے ”مشاہیر امت کے تفردات اور ان کا پس منظر ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ“ اس پر کام کے بعد معلوم ہوگا کہ تفردات کا آغاز کب ہوا۔ اور کتنی بڑی بڑی علمی شخصیات کے تفردات ہیں جن کو علماء امت نے قبول بھی نہیں کیا مگر ان اہل علم کے احترام میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

۱۰۔ شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات سے نوازا تھا وہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہیں۔ اتباع شریعت کا جذبہ اس قدر راسخ تھا کہ قرآن سنت کی خلاف ورزی تو ایک طرف اس کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور کس قدر عاجزی و انکساری کے ساتھ لکھ گئے ہیں کہ اگر میری کوئی بات قرآن و سنت یا قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف تو میں اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں اظہار التعلقی کرتا ہوں۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”وها انا بری من کل مقالة صدرت مخالفة لآية من كتاب الله او سنة قائمة عن رسول الله ﷺ او اجماع القرون المشهود لها بالخير او ما اختاره جمهور المجتدين ومعظم سواد المسلمين فان وقع شئ من ذلك فانه خطا رحم الله تعالى من ايقظنا من سنتنا او نهنا من غفلتنا“ (۶۲)

”اور یاد رہے کہ میں ہر اس قول سے بری ہوں کہ جو کتاب اللہ کے خلاف ہو یا رسول اللہ ﷺ کی معمول بہا سنت کے خلاف ہو، یا ان قرون کے اجماع کے خلاف جن کے لیے خیر کی گواہی دی گئی، یا اس رائے کے خلاف جس کو جمہور مجتہدین اور مسلمانوں کے سواد اعظم نے اختیار کیا ہے، پس اگر ایسی کوئی بات واقع ہوگی ہے تو یہ خطا ہے۔ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمیں اونگھ سے بیدار کرے اور ہماری غفلت پر تنبیہ کرے۔“

شاہ صاحب اپنے بعد میں آنے والے محققین کو ایک اچھا اسلوب اور منہج دے گئے ہیں۔ کہ وہی تحقیق معتبر ہوگی جو قرآن و سنت کے مطابق ہو اس کے خلاف نہ ہو اور نہ خیر القرون کے اجماع کے خلاف ہو۔ اور نہ ہی وہ ایسی تحقیق ہو جو جمہور مجتہدین اور مسلمانوں کی اکثریت کے راستے سے ہٹا دے۔ اور اگر میرے قلم سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو تو میں اس سے برائت کا اعلان کرتا ہوں۔ اور کمال عظمت دیکھیے کہ دوسرے محققین کو دعوت دے رہے ہیں کہ اگر میری کوئی قابل گرفت بات ہو تو وہ ضرور مطلع کریں اور ساتھ ہی دعا بھی دے رہیں کہ اللہ ایسے شخص پر رحم فرمائے۔

خلاصہ بحث:

حضرت شاہ صاحب معلوم و معارف کا بحر بکیراں تھے۔ آپ کی تمام تصانیف اس کا بین ثبوت ہیں۔ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں آپ نے احکام شریعت کے اسرار و بھید کی دل نشین اور موثر تشریح کی ہے۔ مصالح و حکم کو بیان کرنے میں آپ نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بے مثال ہے خاص طور پر ان حالات کے تناظر میں جب زمانہ نئی کروٹ لے رہا تھا، مسلم اقتدار کا سورج غروب ہونے کو تھا اور عقلیت پرستی کا دور شروع ہو رہا تھا۔ آپ نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں جو منہج طے کیا اس کے مطابق شروع سے لے کر تا آخر التزام کیا۔ قرآن و حدیث کے مطابق اپنا موقف پیش کیا اور فہم قرآن و حدیث میں جو عوارض مانع تھے ان کے تدارک کی تدابیر بیان کیں۔ زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر قرآن و سنت کی روشنی میں محققانہ کلام کیا ہے۔ اور بعض مقامات پر آپ کی تحقیق و رائے جمہور علماء سے مختلف ہو گئی ہے تو اس میں کسی نفسانی خواہش کا دخل نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بھی قرآن و سنت سے اخذ کیے ہوئے دلائل ہیں جن کی وجہ سے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔ اور اپنے بعد میں آنے والے محققین کو ایک واضح پیغام دیا کہ اسلامی تحقیق اسی عالم کی معتبر ہوگی جو قرآن و سنت اور خیر القرون کے اجماع کی خلاف ورزی نہ کرے اور نہ ہی کوئی ایسی بات بلا دلیل کہے جو اس کو جمہور مجتہدین اور مسلمانوں کی اکثریت کے راستے سے الگ کر دے۔

حواشي وحواله جات

- ١- شاه ولي الله، احمد بن عبدالرحيم، حجة الله البالغة، كراچي، نور محمد كارخانہ تجارت كتب آرام باغ، سن، ١٠١هـ
- ٢- آل عمران: ٤٤
- ٣- النساء: ٢٣
- ٤- المائدہ: ٩٣
- ٥- شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ١٤٢١هـ
- ٦- النساء: ٩٢
- ٧- شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ١٥٣٢هـ
- ٨- ابوداؤد، سليمان بن الاشعث، السنن، السنن، بيروت، المكتبة العصرية، سن، ٣٢٣٣هـ
- ٩- شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ١٤١١هـ
- ١٠- ايضا، ١٤١١هـ
- ابوداؤد، السنن، ٣٢١٣هـ
- ١١- ايضا، ١٤١١هـ
- ١٢- الاحزاب: ٥٩
- ١٣- الاحزاب: ٥٣
- ١٤- النور: ٣٠
- ١٥- حجة الله البالغة، ١٢٦٢هـ
- ١٦- الترمذي، ابو عيسى محمد بن عيسى، السنن، مصر، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، ١٣٩٥هـ، ٣٥٩٣هـ
- ١٧- الزيلعي، فخر الدين، تبين الحقائق شرح كنز الدقائق، قاهرہ، المطبعة الكبرى الاميرية، ١٣١٣هـ، ١١٤٢هـ
- ١٨- ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالوليد، بدلية الاجتهاد ونهاية المقصد، قاهرہ، دارالحدیث، ١٢٢٥هـ، ٣٦٣هـ
- ١٩- ابن قدامه المقدسي، عبداللہ بن احمد، المغني، مکتبة القاہرہ، ١٣٨٨هـ، ٤٤٤هـ
- ٢٠- شاه ولي الله، حجة الله البالغة، كراچي، ١٢٤٢هـ
- ٢١- حجة الله البالغة، ١٢٤٢هـ
- ٢٢- ايضا، ١٢٤٢هـ
- ٢٣- ايضا، ٨٨١هـ
- ٢٤- آل عمران: ٩٣
- حجة الله البالغة، ٨٨١هـ
- ٢٥- حجة الله البالغة، ٨٨١هـ
- ٢٦- ايضا، ٨٨١هـ
- البقرہ: ١٠٦
- ٢٧- حجة الله البالغة، ٢٦١هـ
- ٢٨- ايضا، ٢٦١هـ
- احمد بن حنبل، الامام، المسند، مؤسسة الرسالة، ١٣٢٠هـ، ٣٩١٣٥هـ
- ٢٩- حجة الله البالغة، ١٢٤٢هـ
- ابوداؤد، ٢٢٩٢هـ

- ٣٠- الكاساني، علاء الدين، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، بيروت، دارالكتب العلمية، ١٤٠٦هـ، ٢٣٩/٢
- ٣١- البايرتي، جمال الدين، محمد بن محمد، العنانية شرح الهداية، دارالفكر، سن، ٩٣١/١٠
- ٣٢- العيني، بدر الدين، محمود بن احمد، البنانية شرح الهداية، بيروت، دارالكتب العلمية، ١٤٢٠هـ، ٤٦/٥
- ٣٣- ابن نجيم، زين الدين ابراهيم، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، دارالكتاب الاسلامي، سن، ١١٤/٣
- ٣٤- شامي، ابن عابد بن، محمد امين، رد المحتار على الدر المختار، بيروت، دارالفكر، ١٤١٢هـ، ٥٦/٣
- ٣٥- حجة الله البالغة، ٦٣/١
الترمذي، السنن، ٢٦٤/٥
- ٣٦- ابن كثير، اسماعيل بن عمر، ابوالفداء، تفسير القرآن العظيم، بيروت، دارالكتب العلمية، ١٤١٩هـ، ٣٤٥/٣
- ٣٧- الكوثري، محمد زاهد، حسن التقاضي في سيرة الامام ابي يوسف القاضي، مصر، دارالانوار للطباعة والنشر، سن، ص ٩٦
- ٣٨- ايضا، ص ٩٩٣-٩٦
- ٣٩- حجة الله البالغة، ١٠/١
- ٤٠- ايضا، ٣١/١
- ٤١- ايضا، ٣١/١
- ٤٢- ايضا، ١١٩/١
- ٤٣- ايضا، ١١٩/١
- ٤٤- ايضا، ١١٩/١
- ٤٥- ايضا، ١١٩/١
- ٤٦- ايضا، ١١٩/١
- ٤٧- ايضا، ١٥٢/٢
- ٤٨- ايضا، ١٥٢/٢
- ٤٩- ايضا، ١٥٢/٢
- ٥٠- ايضا، ١٥٢/٢
- ٥١- ابن رشد الحفيد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ١٩٨/٢
- ٥٢- ابن رشد الجيد، محمد بن احمد، ابوالوليد، المقدمات المحمدات، دارالغرب الاسلامي، ١٤٠٨هـ، ٢٨٢/٣
- ٥٣- الشيباني، محمد بن حسن، الامام، الحج على اهل مدينة، بيروت عالم الكتب، ١٤٠٣هـ، ٣٥١/٢
- ٥٤- المنجي، الخزرجي، علي بن ابي يحيى، ابو محمد، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب، بيروت، دارالقلم، ١٤١١هـ، ٤٢٩/٢
- ٥٥- الزيلعي، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ١٢٨/٦
- ٥٦- المرغيناني، علي بن ابي بكر بن عبد الجليل، الهداية في شرح بداية المبتدى، بيروت، داراحياء التراث العربي، سن، ٢٢٢/٢
- ٥٧- حجة الله البالغة، ٢/١
- ٥٨- ايضا، ١٠/١
- ٥٩- ايضا، ١١/١
- ٦٠- ايضا، ٩/١
- ٦١- ايضا، ٩/١
- ٦٢- ايضا، ١٠/١